International Journal of Islamic Studies & Culture *ISSN-2709-3905*
https://ijisc.com.pk/index.php/IJISC/index *PISSN2709-3891*
(Volume.5, Issue.2 (2025)

Akhtar Sherani: Some New Discoveries

اختر شیرانی: چند نئی دریافتیں

Dr. Parveen Kallu [1]
Associate Professor Urdu Department , Government College University Faisalabad
Dr. Zonera Batool[2]
EST Government Comprehensive Girls Higher Secondary School Madina Town Faisalabad
Dr. Muhammad Khalid Latif Sahil
Assistant Professor Urdu Department, Lahore Leads University Lahore
Dr. Muhammad Rahman[3*]
Assistant Professor Urdu Department Hazara University Mansehra. Corresponding Author
Email: drmrehman75@gmail.com

Abstract

Akhtar Sherani's real name was Muhammad Dawood Khan. He belonged to the Sherani tribe of Afghanistan. His father, Hafiz Mahmood Sherani, was a religious scholar and a teacher of great stature. Akhtar Sherani is considered one of the modern poets of his time who experimented with new styles of poetry and gave it a new tone. Even the famous poets of that time could not help but acknowledge his uniqueness. Among those who appreciated his poetry, the prominent poet of that time, Faiz Ahmed Faiz, is also included. According to Faiz, "Sherani is considered one of those poets who gave a new style to the poetry of his time. He made an effort to bring the generation of that time out of the mirage of beauty and love and into the world of reality, and he was successful in this to some extent. Akhtar Sherani was undoubtedly an excellent romantic poet. He was not only unique and distinguished among his contemporaries, but also the most popular poet, and his poetry reached its peak. The color, style and harmony of his romantic poetry are different from all others. He did not follow anyone in poetry, nor was his poetry influenced by anyone's style of expression. Rather, he chose his own path of poetry and established such milestones in it that new paths were paved for his predecessors. This article examines Akhtar Sherani in a new way.

Key Words: Akhtar Sherani, Muhammad Dawood Khan, Hafiz Mahmood Sherani, Faiz, excellent romantic poet, style of expression.

اردو میں رومانی شاعری کی ایک صحت مند روایت رہی ہے جس میں ابتدا سے لے کر موجودہ دور تک مختلف شعرا نے اپنا حصہ ڈالا۔ قلی قطب شاہ، ولی دکنی، سراج اورنگ آبادی، فائز دہلوی، مضمون اور یک رنگ کے ہاں رومانیت کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں۔ بعد میں غالبؔ، مومنؔ، اقبالؔ، عظمت اللہ خانؔ، جوش ملیح آبادیؔ، جمیل مظہریؔ، پرویز شاہدیؔ، روشن صدیقیؔ، اسرار الحق مجازؔ، ساحر لدھیانویؔ، جاں نثار اخترؔ، حفیظ جالندھریؔ، ساغر نظامیؔ، معین احسن جذبیؔ، جگر مراد آبادیؔ، حسرت موہانیؔ، فراق گورکھپوریؔ، احمد ندیم قاسمیؔ، فیض احمد فیضؔ اور اختر شیرانیؔ نے اس روایت کو تسلسل دیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اختر شیرانی اردو کے سب سے بڑے رومانی شاعر ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ ان کا کلام اول تا آخر رومانیت سے بھرپور ہے۔ ان کے شعری مجموعوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ پھولوں کے گیت (۱۹۳۶ء)۔ بچوں کے لیے لکھی گئی نظمیں۔

۲۔ نغمہ حرم (۱۹۳۹ء) بچوں اور عورتوں کے لیے لکھی گئی نظموں کا مجموعہ

۳۔ شعرستان(۱۹۴۱ء)۔ تیری سانیٹ اور چار نظموں پر مشتمل مجموعہ
۴۔ صبح بہار(۱۹۴۵ء)رومانی نظمیں
۵۔ اخترستان(۱۹۴۶ء)نظمیں
۶۔ طیور آوارہ(۱۹۴۶ء)غزلیں، گیت اور رباعیاں
۷۔ لالئی طور(۱۹۴۷ء)رومانی نظمیں
۸۔ شہناز اور شہروز(۱۹۴۹ء)نظمیں، غزلیں، ماہیے، نعتیں اور سانیٹ۔

اوپر کی فہرست سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے زیادہ تر رومانی نظمیں ہی لکھیں۔اس فہرست میں موجود ہر کتاب کے نام سے ہی اس کا رومانی ہونا ظاہر ہو رہا ہے۔اس وجہ سے یہ کہنا بنتا ہے کہ اختر شیرانی کے جذبات واحساسات ہی پنپ سکتے تھے۔ان کی مختصر زندگی (۱۹۰۵ءتا۱۹۴۸ء) محدود رہی لیکن اس کے باوجود انھوں نے خاصا کثیر رومانی سرمایہ چھوڑا ہے۔

اختر شیرانی کی شاعری میں رومانیت کے اجزاء جذبہ وجوش، فطرت سے لگاؤ، عشق ومحبت اور خیال آرائی کیسی خوبیاں بکثرت موجود ہیں۔ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اردو شاعری میں محبوبہ کے طور پر عورت کا ذکر تانیثی صیغے میں استعمال کیا۔یوں انھوں نے اردو شاعری میں متعدد نسوانی کردار سلمیٰ، عذرا، ریحانہ اور شیریں وغیرہ متعارف کروائے۔اس سے پہلے اردو شاعری میں عورت کی بطور محبوبہ جنس اتنی واضح نہیں تھی۔اگرچہ لکھنوی شعرا کے ہاں یہ تصور ملتا ہے لیکن ان کے ہاں یہ تصور مذکر اور اس کے سراپا کا ذکر مؤنث کی حیثیت سے ملتا ہے۔اپنی نظموں کے مطابق اختر شیرانی کی کئی ایک محبوبائیں تھیں جن میں سب سے توانا کردار سلمیٰ کا ہے جو ان کی زندگی کا مرکز و محور ہے۔اس کردار سمیت ان کی تمام محبوباؤں میں مشرقی حسن کی تمام رنگینیاں اور رعنائیاں جیسے حسن وجمال، شرم وحیان، پاکیزگی اور ناز واسا وغیرہ ملتی ہیں۔اس حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"اختر شیرانی نے اپنی نظموں میں عورت سے جس محبت کا اظہار کیا ہے اس میں خلوص، سچائی اور زندگی کو خوب صورت بنانے کا جذبہ ملتا ہے۔ان کی شاعری میں عشق کا جسمانی تصور ملتا ہے۔جس طرح ان کی محبوبہ گاؤں کی ایک الھڑ دوشیزہ ہے اس طرح ان کا عشق اور ان کے جذبات واحساسات بھی عام انسان کے ہیں۔انھوں نے عشق کے روایتی تصور کی بجائے فطرت جذبات واحساسات کی عکاسی کی۔ان کی شاعری میں فحاشی اور عریانی نہیں ملتی۔وہ جنسی جذبات کا اظہار بھی مہذب انداز میں کرتے ہیں۔وہ عشق کو گناہ نہیں سمجھتے بلکہ اسے انسان کا فطری جذبہ قرار دیتے ہیں۔ان کی شاعری میں عشق کی مختلف کیفیات مثلاً ہجر ووصال، انتظار اور درد وکرب کے ساتھ ساتھ صداقت اور والہانہ پن کا اظہار فطری انداز میں ملتا ہے۔"(۱)

سلمیٰ کے حوالے سے ان کی ایک نظم سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

شام و سحر نیلی گھٹائیں گھر کے اتی ہیں
افق کی گود میں نیلم کی پریاں مسکراتی ہیں
فضاؤں میں بہاریں ہی بہاریں مسکراتی ہیں
جہاں فطرت مچلتی ہے لہکتے ابر پاروں میں
مری سلمیٰ مجھے لے چل یوں ان رنگیں بہاروں میں

بہشتوں کی لطافت ہے جہاں کی زندگانی میں
مزہ آتا ہے کوثر کا جہاں کے سادہ پانی میں
خدائی حسن عریاں ہے جہاں کی نوجوانی میں
صداقت کروٹیں لیتی ہے سازِ دل کے تاروں میں
مری سلمیٰ مجھے لے چل یوں ان رنگیں بہاروں میں (۲)

اپنی ایک نظم (اعترافِ محبت) کے ایک بند میں وہ یوں لکھتے ہیں:

جب رات کی بے کس تنہائی میں، آپ کو تنہا پاتا ہوں
میں بربط دل سے سوز و گدازِ عشق کے نغمے گاتا ہوں
اتنا تو بتادو تم بھی مجھے کیا میں بھی کبھی یاد آتا ہوں
بتلاؤ کہ منت کرتا ہوں
میں تم سے محبت کرتا ہوں (۳)

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ ان کی نظموں میں جن دو شیزاؤں کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں سلمیٰ کا تذکرہ بیش تر نظموں میں مذکور ہے۔اس حوالے سے اپنی نظم کے ایک اور بند میں وہ سلمیٰ کے "انتظار" کی کیفیت کے حوالے سے یوں پُر امید ہیں:

تمنا اور حیا کی کش مکش کیوں کر مٹاؤں گا
میں اس کے یاسمیں پیکر کو کیسے گدگداؤں گا
اور اس کے لعل لب سے کس طرح بوسے چراؤں گا
وہ پھولوں اور ستاروں سے بھی شرمائے گی وادی میں
سنا ہے میری سلمیٰ رات کو آئے گی وادی میں (۴)

اختر شیرانی اپنی نظم میں ایسی تصویر کاری کرتے ہیں کہ معمولی سی بھی جزئیات نگاری کو نظر انداز نہیں کرتے۔ بعد میں ان تصویروں میں جذبات واحساسات کا رنگ بھر کے ایسی حسین و جمیل تصاویر بناتے ہیں کہ قاری خوابوں کے نگر کی سیر کرنے لگتا ہے۔ بعض اوقات شیرانی اپنی ان تخیلی تصویروں میں اس حد تک غرق ہو جاتے ہیں کہ باقی سب بھول جاتے ہیں۔ جس طرح سڈنی نے یوٹوپیا یعنی ایک تخیلاتی دنیا کا تصور۔ دراصل اس مادی دنیا کے مصائب و آلام کا ردِ عمل تھا۔ان مصائب و آلام سے گھبرا کر سڈنی نئی یوٹوپیا میں پناہ ڈھونڈی تھی۔ سڈنی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے شیلے نے اپنی شہر آفاق نظم (ODE To The SKYSKY LARK) تخلیق کی۔ جس میں وہ کہتا ہے کہ وہ ایک ایسی دنیا کا متلاشی ہے جہاں ہوائیں، فضائیں اور گھٹائیں رقص کرتی ہیں۔ جہاں کوئی غم نہیں ہے۔ جہاں جذبات کشی، فریب کاری اور مکاری کا کوئی گزر نہیں ہے۔اختر شیرانی بھی اسی طرح سکون و امن اور عالم حسن کے تمنائی ہیں جہاں حسن کے جلوے بکھرے ہوئے ہوں۔ جہاں خوب صورت حسیناؤں کے الھڑ قہقہے رقصاں ہوں۔ جہاں ان کی روح مسرتوں کے ساتویں آسماں پر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عشق سے کہتے ہیں:

اے عشق کہیں لے چل
یہ جبر کدہ، آزاد و افکار کا دشمن ہے
ارمانوں کا قاتل ہے امیدوں کا رہزن ہے
جذبات کا مقتل ہے جذبات کا مدفن ہے
دور اس سے کہیں لے چل
اے عشق کہیں لے چل

اک مذبح جذبات و افکار ہے دنیا
اک مسکن اشرار و آزار ہے دنیا
اک مقتل احرار و ابرار ہے دنیا
دور اس سے کہیں لے چل
اے عشق کہیں لے چل (۵)

اختر کی شاعری میں رومانیت کی اہم اور بنیادی وجہ وطن سے پندرہ سالہ دوری بھی تھی۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جو دھرتی اس کی جنم بھومی ہوتی ہے اس سے محبت اس کی رگ رگ میں پھڑکتی رہتی ہے اور اس مٹی کی کشش وقت کے ساتھ ساتھ اس کی رگوں میں گاڑھی ہوتی جاتی ہے۔ اُسے اپنی دھرتی کا ذرہ ذرہ جان سے پیارا لگتا ہے۔ اس حوالے سے وہ ایک ایسی جذباتی کیفیت کا شکار ہو جاتا ہے کہ اس دھرتی کے حوالے سے اس کے خیالات میں رومانی فضائیں اور بستیاں اسے ہر پل بے چین کیے رکھتے ہیں۔ اس پہ طرہ یہ کہ اگر وہ شاعر ہو تو پھر تو سونے پہ سہاگہ والا کام ہو جاتا ہے اور اس دھرتی اور وطن کی محبت کے گیت گاتے نہیں تھکتا۔ اختر شیرانی نے بھی زندگی میں اپنی جوانی کے پورے پندرہ برس اپنے وطن سے باہر گزارے۔ اسی وجہ سے وہ وطن سے آنے والے مسافروں سے مخاطب ہوتے ہوئے یوں پوچھتے ہیں:

او دیس سے آنے والے بتا
کیا شہر کے گرداب بھی ہے رواں دریائے حسیں لہرائے ہوئے
جون گود میں اپنے من کو لیے ناگن ہو کوئی تھرائے ہوئے
یا نور کی ہنسل حور کی گردن میں ہو عیاں بل کھائے ہوئے
او دیس سے آنے والے بتا (۶)

اختر شیرانی اپنے رومان میں اس قدر غرق ہو چکے تھے کہ کسی طرح اس سے جان نہیں چھڑا سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس کیفیت میں مست رہنے کے لیے شراب کا سہارا لیا۔ اگرچہ اس کی وجوہات میں ایک تو جوانی کی یادوں کو بھلانے اور دوسرا سلمیٰ کے عشق میں ناکامی اور شادی نہ ہونے کی وجہ بھی ہو ممکن ہے۔ اس حوالے سے انھوں نے جہاں جذباتی آسودگی حاصل کرنے کے لیے ہر سنگِ گراں پر سجدہ ریزی کی اور دوسرا یہ کہ شراب میں سہارا ڈھونڈ لیا۔ شراب نوشی میں بھی وہ حد سے گزرنے لگے تھے۔ یہی مے نوشی ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی۔ جب وہ شراب پیتے تھے تو کئی کئی دن اس شراب کے دور چلتے تھے اور کھانے پینے کا ہوش تک نہ رہتا۔ انھوں نے خود بھی اس سے چھٹکارا پانے کی شعوری کوشش بھی بہت کی لیکن یہ کافر منہ سے ایک بار لگ جائے تو چھوڑنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے ان کے اشعار یوں ہیں:

جو روح ہو چکی ایک بار داغ دار مری
تو اور ہونے دے لیکن شراب پینے دے (۷)

ایک اور جگہ یوں کہتے ہیں:

سینکڑوں بار مرے سامنے توبہ کی
توبہ اختر کہ تری بادہ گساری نہ گئی (۸)

اور اخر میں تو ان کی حالت ایسی ہو گئی تھی:

بجا کہ یاس حشر ہم کو کریں گے یاس شراب پہلے
حساب ہوتا رہے گا یارب ہمیں منگا دے شراب پہلے (۹)

اختر شراب پینے کی عادت کو اس قدر برا خیال کرتے تھے کہ کبھی بھی کسی کو اپنے پاس پھٹکنے دیتے تھے۔ جب ان کا شراب کا دور شروع ہو جاتا تو وہ سب دوستوں سے الگ ہو جاتے تھے اور تنہا یہ غم اپنے سینے میں چھپانے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن آخری عمر میں مے نوشی کی وجہ سے بال بال قرض میں ڈوب چکے تھے اور اس طرح زندگی گزر بسر ہوتی رہتی تھی۔ ایک اقتباس سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

"کل رات مستی گیٹ کے شراب خانے میں اختر صاحب نے پہلے تو اپنا کوٹ گروی رکھا، پھر قمیص مے خانے والوں کے حوالے کر دی اور آدھی رات کو صرف ایک شلوار پہنے ہوئے نشے میں مست حکیم نیر واسطی کے ہاں پہنچے۔"(۱۰)

بات یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ان کے والدِ محترم حافظ محمود شیرانی کو جب پتہ چلا تو ان کو بہت برا لگا اور وہ ان پر سختی کرنے لگے۔ اختر شیرانی عموماً رات کو دیر سے گھر پہنچتے اور حافظ محمود شیرانی ان کے آنے سے پہلے دروازہ بند کر دیتے۔ آخر میں نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ گھر والے ان سے اور یہ گھر والوں سے نالاں رہنے لگے تھے۔ آخری عمر میں ان کی ماں ہی ایسی ہستی تھی جو ان کو سمجھاتی رہتی تھیں۔ ان کی منتیں کرتی تھیں اور دونوں ماں بیٹے یوں رات کاٹتے۔ بعد میں والد صاحب کی وفات کا صدمہ اور آخر میں فسادات کی وجہ سے ان کا

زندگی سے اُچاٹ ہو گیا تھا۔ آخر کار انھوں نے ۱۹۴۸ء میں لاہور کے لیے رختِ سفر باندھا اور ادھر آ گئے تھے۔ شراب نوشی کی وجہ سے ان کی صحت پہلے ہی جواب دے چکی تھی۔ اب شراب کے ساتھ قے بھی آنے لگی تھی۔ ایک دفعہ چوں کہ ان کے دیگر گھر والے لاڑکانہ میں تھے اور یہ خود لاہور میں نیر واسطی کے ہاں قیام پذیر تھے کہ اچانک رات کو ان کی طبیعت بگڑ گئی۔ نیر صاحب ان کو میو ہسپتال لے گئے وہ اگرچہ کچھ دیر کے لیے سنبھلے لیکن اگلے ہی دن اپنی کمزوری کی وجہ سے وفات پا گئے۔

اختر شیرانی مزاج کے بادشاہ تھے اگرچہ وہ خود مفلس تھے لیکن دوستوں کے لیے جان کی بازی لگانے سے گریز نہیں کرتے تھے اور ہر حال میں دوستوں کی مدد کرتے۔ اپنی بے نیاز طبیعت کے باوجود احباب کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔ ان کی غیرت و حمیت کو یہ گوارہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ کوئی دوست مصیبت میں ہو اور وہ اس کی مدد نہ کرے۔ ان کے ایک دوست محمد طفیل نے اپنی کتاب "جناب" میں ان کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کو ایک بار پتا چلا کہ ان کے ایک پرانے دوست بے روزگار ہیں اور نوبت فاقوں تک آ پہنچی ہے۔ اختر شیرانی صاحب نے مختلف دوستوں سے مانگ تانگ کر اس دوست کے لیے کسی نہ کسی طرح دو تین سو روپوں کا انتظام کر کے ان کے گھر پہنچا دیئے۔ ایسے تھے اختر شیرانی صاحب۔

اختر شیرانی اگرچہ سلمیٰ سے حد درجہ عشق کرتے تھے لیکن ان کا عشق ہوا و ہوس سے بالکل پاک تھا۔ ایک بار ایک مشہور مغنیہ منی بائی کی ان سے ملاقات ہوئی تو اختر صاحب مارے شرم کے کانپنے لگے۔ اس پر منی بائی نے طنزاً کہا:

"شاعر شباب تو کانپ رہا ہے۔"(۱۱)

غرض اختر شیرانی صاحب اگرچہ رومان پسند آدمی تھے۔ لاابالی، لاپرواور بے نیاز۔ عموماً ایسے لوگ کسی اخلاقی پابندی یا سماجی رسم و رواج کے کسی بندھن کو برداشت نہیں کرتے لیکن اختر شیرانی ایسے نہ تھے بلکہ اخلاقی حدود و قیود کے پابند تھے۔ سلمیٰ کے بعد ان کی شاگردی میں کم از کم ایک درجن تک خواتین نے ان سے زانوئے تلمذ حاصل کیا لیکن انھوں نے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ محبتیں اور بے حیائی کے خلاف تھے۔ بس شراب کی لت پڑی ہوئی تھی۔ ورنہ ان جیسا پاک باز انسان شاید ہی ان کے ہم عصروں میں گزرا ہو۔ انھوں نے عورت کو صرف محبوبہ نہیں بلکہ ایک ماں، بیوی اور بیٹی کے روپ میں بھی محسوس کیا ہے۔ وہ اپنی ماں کے بہت قریب تھے اور ان سے ہر بات کرتے تھے۔ اپنی ماں سے آخر تک محبت کا دم بھرتے رہے۔ اور ایسے محبت ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی۔

حوالہ جات

۱۔ فیروز عالم، اختر شیرانی کی نظم نگاری، مشمولہ، ماہنامہ اردو دنیا، دلی، دسمبر ۲۰۱۹ء، ص ۲

۲۔ اختر شیرانی، بحوالہ اختر شیرانی اور اس کی شاعری، از نیر اختر جعفری، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۶۴ء، ص ۲۸

۳۔ اختر شیرانی، بحوالہ اختر شیرانی کی نظم نگاری، از فیروز عالم، ص ۲

۴۔ ایضاً، ص ۳

۵۔ اختر شیرانی، بحوالہ اختر شیرانی کی شاعری، از فیروز عالم، ص ۲۵

۶۔ اختر شیرانی، بحوالہ اختر شیرانی اور اردو ادب، از ڈاکٹر یونس حسنی، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۱۷

۷۔ ایضاً، ص ۵۴

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ایضاً، ص ۵۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۷۲